

شمس الاسلام

ماہنامہ

* بھیرہ (پاکستان) *

* * *

بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ

مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۶ء

★

تحت ادارہ

علامہ حسین | انور حزب الانصار بھیرہ | لین روہہ
مدیر مسؤول | مولانا الحاج القطار احمد اکوی | سالانہ چاند
(پاکستان)



جلد ۲۷	ربیع الثانی بمطابق ماہ نومبر ۱۹۵۶ء	شمارہ ۸
--------	------------------------------------	---------

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	بزم انصار	ادارہ	۴
۲	معارف قرآن		۵
۳	بابہ الہدیت		۸
۴	تاریخ و طہر	مولانا سید سیاح الدین صاحب کاکا خیل	۱۱
۵	علم حدیث اور حضرات محدثین	مولانا ابوالماتر حبیب الرحمن صاحب اعظمی	۱۵
۶	چوری کی معصیت اور اسکی مذمت	جناب مولوی محمد اشرف صاحب قریشی	۲۶
۷	حلال روزی	" " " " " "	۲۹

ایہ تمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر شانی برقی پریس سرگودھا میں چھپ کر قریب شمس بصرہ جامع مسجد بصیرہ سے شائع ہوئے

سورة الفاتحہ کی تفسیر

معارف قرآن

سَابِّ الْعَالَمِينَ

جانتا چاہئے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے لَحْنُ لِّلہ فرمایا، تو گویا کسی سائل نے کہا: اللہ ربُّ دو اَمروں پر مبنی ہے، اول وجودِ اللہ پر، دوسرے یہ کہ وہ مستحقِ حمد ہے۔ تو وجودِ اللہ پر کوئی دلیل ہے۔ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ مستحقِ حمد ہے؟ ان دونوں سوالوں پر توجہ فرماتے ہوئے خدا نے حکیم و بصیر نے سوالِ اول کا جواب اپنے قول سَابِّ الْعَالَمِينَ سے دیا۔ اور دوسرے سوال کا جواب اپنے قول لَحْنُ لِّلہ یَوْمَ الدِّین سے دیا۔

سوالِ اول کی تقریر: اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ، جن چیزوں کے وجود کا ہمیں علم ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں ضروری ہوتی ہیں اور بعض نظری، سو وجودِ اللہ کو ہم ضروری طور پر نہیں جانتے۔ البتہ نظری طور پر جانتے ہیں۔ اور علمِ نظری دلیل سے ماہل ہوتا ہے۔ اور وجودِ اللہ کی دلیل یہ عالم محسوس ہے۔ جس میں آسمان و زمین، پہاڑ، دریا، معادن، نباتات اور حیوانات ہیں۔ یہ تمام چیزیں لازمی طور پر ایک مدبر، موجد اور مرنی کی محتاج ہیں، جو ان کی تدبیر کرے، ان کو عدم سے وجود میں لائے اور ان کی تربیت کرے۔ پس گویا قول سَابِّ الْعَالَمِينَ وجودِ اللہ پر دلیل محکم ہے۔ جو ایک قادر اور حکیم ذات پر دلالت کرتی ہے۔ لفظ سَابِّ الْعَالَمِينَ اس امر کی طرف اشارہ ہے، کہ اس کائناتِ ارضی و سماوی میں جو کچھ ہے، وہ اپنے

وجود اور بقا و حیات میں ذاتِ الہی کا محتاج ہے۔ جب ایک عاقل مسلمان اس جملہ کے لطائف و اسرار پر غور کرتا ہے، تو اس کی روح وجد کرنے لگتی ہے۔ اور بندہ اپنے آپ کو سراپا احتیاج پاتا ہے۔

پہلا فائدہ: ہر لفظ عالمین عالم کی جمع ہے اور عالم کے معنی جہان کے ہیں۔ سو جتنے جہان ہیں وہ ان سب کا مرنی ہے۔ اس لئے کہ لفظ لام جمع ذکرِ سالم پر داخل ہوا ہے۔ جس سے استغراق پایا جاتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ماسوا خدا کے ہر جنس کی مخلوقات کو عالم یعنی جہان کہتے ہیں۔ وہ ان سب کا خالق اور مالک اور مرنی ہے۔

دوسرا فائدہ: ہر مرنی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنے نفع کے لئے کسی کی تربیت کرے۔ دوسرا وہ جو صرف پروردہ کے نفع کے لئے تربیت کرے۔ سو پہلی قسم کی ربوبیت تمام مخلوقات کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کسی نہ کسی کی تربیت و پرورش کرتا ہے۔ اور ایک دوسرے کو نفع پہنچاتا ہے۔ دوسری قسم کی تربیت صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ اپنے بندوں کی تربیت اپنے نفع کے لئے نہیں، بلکہ اپنے بندوں کے نفع کے لئے کرتا ہے۔

وجوہاتِ تعلیم و مدح: دنیا میں جس کسی کی مدح و تعلیم کی جاتی ہے، وہ چار وجوہات میں سے کسی ایک وجہ سے ہوتی

اور وہ عالم کے ماسوا ہے۔ اس سے ثابت رہتا کہ وہ مکان و جہت سے منزہ ہے۔ اس طرح یہ لفظ بات پر بھی دلالت کرتا ہے، کہ وہ حلول سے بھی پاک ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں عالم میں داخل ہیں۔

یہ آیت اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے، کہ پروردگار عالم موجب بالذات نہیں بلکہ فاعل مختار ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے، کہ موجب بالذات اپنے کسی فعل میں مستحق حمد و ثنا نہیں ہوتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب انسان آگ کی سخونت اور برف کی برودت سے نفع حاصل کرتا ہے، تو وہ آگ یا برف کی تعریف و توصیف نہیں کرتا۔ کیونکہ آگ اور برف کی تاثیر سخونت و برودت ان کی قدرت و اختیار سے نہیں، بلکہ بالطبع ان کی خاصیت ہی یہ ہے۔ پس ثابت رہتا کہ مستحق حمد فاعل مختار ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

ایک قابل غور نکتہ اس قول رب العلمین میں ایک اور نکتہ عجیب بھی مستتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ تمام ایک بین الاقوامی اور عالمگیر مذہب ہے۔ اور دنیا میں اس لئے آیا ہے، کہ تمام بنی نوع انسان کو ایک سلک میں خسلک کر کے خدا کی حکومت و بادشاہی میں لے آئے۔ اور تمام انسانوں پر امن و خوشحالی کی راہیں کھول دے۔

خدا غور کرو! عالمگیر اور بین الاقوامی مذہب کی بنیادی اینٹ خدا کا تخیل ہے۔ خدا کے تخیل کے اختلاف و توارع ہی نے اختلاف مذاہب کی بنیاد رکھی ہے۔ ہر مذہب نے اپنا اپنا خدا بنالیا ہے۔ انسانوں کی یہی وہ مگرابی ہے، جس نے اہل مذاہب کو بیڑیا اور اس دنیا کو اختلاف و بد امنی کا جہنم کردہ بنا رکھا ہے۔ جس

ہے۔ اول اس لئے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں پورے کمال والا ہے۔ تمام عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے۔ گو اس نے حمد کرنے والے پر کوئی احسان نہ کیا ہو۔ صرف اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے مستحق حمد ہو۔ دوسری اس لئے کہ حمد کرنے والے پر اس نے احسان کیا ہے۔ تیسری اس لئے کہ حمد کرنے والے کو آئندہ احسان کی توقع ہے۔ اور وہ اس بنا پر اپنے مرضی کی تعظیم و مدح کرتا ہے۔ چوتھی اس لئے کہ اس کے جلال و قدرت اور عظمت و جبروت سے خوف ہے۔ اس خوف کی وجہ سے تعظیم و مدح کرتا ہے۔ صرف یہی چار صورتیں موجب مدح و تعظیم ہیں۔ اب خدا اس قول رب العلمین کی بلاغت و ایجاز ملاحظہ فرمائے۔

اس قول سے گویا اللہ پاک فرماتے ہیں، کہ اے میرے بندو! اگر تم میرے ذاتی کمال کی وجہ سے میری مدح کرتے ہو تو بیشک میں ذاتی کمال کی وجہ سے بھی مستحق حمد ہوں۔ کیونکہ اللہ العلمین ہوں۔ اگر تم احسان کی وجہ سے میری تعظیم اور مدح کرتے ہو تو میں رب العلمین ہوں۔ اور اس اعتبار سے مستحق حمد ہوں۔ اگر تم خوف کی وجہ سے مدح کرتے ہو تو یہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ میں مالک یوم الدین ہوں۔ اور اس وجہ سے بھی مستحق حمد ہوں۔ الغرض تمام وجوہات تعظیم و مدح مجھ میں بدرجہ اتم و اکمل موجود ہیں۔ اور ہر لحاظ سے میں مستحق حمد ہوں۔

سہا رب العلمین اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے، کہ وہ مکان اور جہت سے بھی منزہ ہے۔ اس اعتبار سے کہ مکان و جہت عالم میں داخل ہیں۔

وقت دنیا میں اسلام کا ظہور ہوا، اس وقت دنیا کی قومیں خدا کے تخیل کے اختلاف کی وجہ سے قبیلہ اور وطنیت کی منزل سے آگے نہ بڑھی تھیں۔ ہر قوم اپنی حبیبیت کے دائرے میں محدود تھی۔ تنگ دائروں اور مذہبیت کے اعتقاد سے غرور اور باہم دگر علیحدہ و تسلط کے ملک جذبات نہایت شدت و وقت کے ساتھ ان کی فمیر میں سرایت کر چکے تھے۔ اپنی قوم اور اپنے مذہب کے نام پر اور اپنی عظمت تسلیم کرانے کے لئے ہزاروں لاکھوں جانیں ان کی آن میں قربان ہو جاتی تھیں۔ خاندان کے خاندان عصیبیت کے دیوتا کی بحیثیت پروردہ جلتے تھے۔ اور غیر قوم و غیر مذہب کے لوگ گاہر مولیٰ سے زیادہ حیثیت رکھتے تھے۔

اقوام عالم کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر قوم کی قومیت کی بنیاد بے گناہوں اور مظلوموں کے خون اور ہڈیوں سے استوار ہوئی ہے۔ اسلام سے پہلے انسانیت، قبیلہ، قومیت اور وطنیت کے ہاتھوں ذلیل و خوار اور جاں بہ لب تھی۔ اور مذہبی اختلاف کے افسانوں پر ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ ایسی حالت میں اسلام دنیا میں آیا۔ اور انسانوں کے سامنے ایک ایسی کتاب مقدس پیش کی، جس کی پہلی تعلیم ہی نے اختلافات اور امتیاز و تفرقہ کی بنیادیں ڈھا کر انسانیت کبریٰ کا بول بالا کر دیا۔

اسلام نے قومی معبودوں کی گرد میں مروڑ کر اور باطل خدائیوں کو پیغام فنا سن کر بتلایا کہ قومی معبودوں کے پرستارو! معبود صرف ایک ہی ہے۔ وہ رب العالین ہے۔ نہ صرف انسانوں کا، بلکہ تمام عالموں کا خدا ہے۔ تمام اقوام عالم کا وہی

ایک معبود ہے۔ اور سب کی رپا بیت اسی کے ہاتھ ہے۔ یہی وہ اعتقاد اور خدا کا بنیادی تخیل ہے جس نے ثابت کر دیا کہ اسلام ایک عالمگیر اور بین الاقوامی مذہب ہے۔ باقی تمام مذاہب انسانیت اور حق و صداقت کی کمر توڑنے والے۔ اس اعتقاد سے یقیناً دنیا کی تمام قومیں ایک ہو سکتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ مذہبی اختلافات مٹ کر ایک مذہبی صداقت پر جمع ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اسی مقصود کے لئے قرآن حکیم نے بار بار اس یقین و صداقت کو دہرایا ہے۔ اس کی تلقین و ہدایت کی ہے۔ اور تمام اقوام عالم اس یقین و اعتقاد کی طرف دعوت دی ہے۔

ارشاد ہے:

قل یا اہل الکتاب تعالوا لی کلمۃ سواہ بیننا و بینکم اب لا نعبد الا اللہ
یعنی اے لوگو! جن کتابوں کی بنیاد آسمانی کتابیں ہیں۔ آؤ میرے ایک بات پر جمع ہو جائیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم سولہ لایعبد الا اللہ ایک خدا کے کسی اور کی عبادت پرستش نہ کریں۔

چونکہ "رب العالین" عالمگیر مذہب کی بنیادی اینٹ تھی، اس لئے قرآن حکیم نے شروع ہی میں یہ اینٹ رکھ دی۔ اور تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا راستہ صاف کر دیا۔ اب بھی اگر دنیا کے بد بخت اور گمراہ انسان اس مرکز پر جمع نہ ہوں، اور اپنے اپنے باطل معبودوں کو پوجتے رہیں تو بیسے جہنم میں جائیں۔ قرآن حکیم دنیا میں قلوب و ارجح کا معالج بن کر آیا ہے۔ اس نے قلوب و ارجح کی پہلی بیماری کا علاج رب العالین کے تخیل سے کر دیا۔ اگر

ہم قلوب و ارجح کی غرض ہی میں گرفتار رہنا چاہتے ہیں تو یہی۔ اس میں معالج کا کیا نقصان ہے؟

بالحسنۃ إعتماد بالكتاب السنۃ

باختہ مسلمانو! یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں کسی قوم کو دیکر اس سے نہیں چھینتے۔ جب تک وہ خود اپنے حالات نہ بدلے۔ پس اس اصول قرآنی کے تحت تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا۔ یعنی سرفرازی کے بعد سرگونی، عزت کے بعد ذلت، قوت کے بعد ضعف اور اکثریت کے بعد اقلیت یہ صرف دین قدم کے طریقوں سے انحراف اس کے اصولوں کی توہین، اس کے قواعد و احکام کی خلاف ورزی اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہونے کا لازمی نتیجہ ہے۔ ورنہ یہ دین وہ تھا، جو مسلمانوں کی دینی و دنیوی سعادتوں، کامرانیوں اور سرفرازیوں کا ضامن و کفیل تھا۔ ہم نے اس کامل و مکمل اور تخت و تاج بخشنے والے دین کو چھوڑ دیا۔ اس لئے خدا نے ہمیں چھوڑ کر ابدار و ذلت کے حوالے کر دیا۔ سواب اس تباہی و بربادی پر رونے سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ سو باتوں کی ایک بات، ہزار علاجوں کا ایک علاج اور لاکھ پروگراموں کا ایک پروگرام صرف یہ ہے کہ معیج معنوں میں مسلمان بن جاؤ۔ یعنی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اپنی زندگی اسلامی قالب میں ڈھال لو۔

عملی و تحقیقی مسلمان بننے کا کیا مطلب ہے؟

یہ کہ اپنے اعمال و افکار کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر رکھو۔ اپنی زندگی کی ہر حرکت کو اسوہ رسولؐ کے مطابق کرو۔ اور ہر معاملہ اور ہر دینی و دنیوی ضرورت میں کتاب اللہ اور

مسلمانوں کی وہ لمبی مدہوشی و غفلت شکاری جو صدیوں سے ان پر طاری ہے۔ اور وہ ذلت و پستی جو مسلمانوں پر بری طرح قبضہ کئے ہوئے ہے، کسی طرح ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اور ان کو صغیر ہستی سے شاذینے پر متعبر ہے۔ اس سے تمام عالم اسلام پیچھا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ امت مسلمہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ مصائب و آلام کے پے پیے حلوں نے ان کا کچھ مر نکال دیا۔ ملت اسلامیہ اور ممالک اسلامیہ پر ظلم و جور کی زہرہ گداز بلائیں ہمیشہ نازل ہوتی رہتی ہیں۔ تباہی و بربادی جیسے بعد دیگرے آرہی ہے۔ اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے مشکلات و مصائب نے گھیر رکھا ہے۔

مسلمانوں کی اس پست حالت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کو لفظ بہ لفظ پورا کر دیا۔ ایک کھنے والے نے کہا، کہ کیا آخر زمانہ میں جبکہ اسلام اور مسلمانوں پر فتنے برسیں گے، ہم تھوڑے ہوں گے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا، کہ نہیں تم بہت ہو گے۔ مگر سیلاب کے کورے کرکٹ کی طرح ہو گے۔ اور دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور ہو جائے گا۔ اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہو جائے گا۔ مائٹل نے پوچھا حضور! وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا، ”دنیا کی محبت اور موت کا خوف“ اپنی ذلت و پستی کو رونے والو، اور عقل و خرد

سنت رسول اللہ سے تمک کر دو۔ اس کے بعد وہ سب کچھ ہو جائے گا، جو تم چاہتے ہو۔ تمہاری ترقی اور کامیابی۔ اور دینی و دنیوی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ تم علی اور حقیقی سلطان بن جاؤ۔ اس کے سوا تمہاری ترقی اور کامیابی کے تمام راستے بند ہیں۔ اگر تم کتاب و سنت کے تمک کئے بغیر ترقی و کامیابی حاصل کرنا چاہو گے، تو اور زیادہ ذلیل و پسماندہ ہوتے جاؤ گے۔

امت محمدی کا دعویٰ کرنے والے رسمی مسلمانو!

دیکھو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے پونے چودہ سو سال پہلے کس تاکید و تنبیہ کے ساتھ کتاب و سنت سے تمک کرنے کا اہل حکم دیا تھا:

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یحکم فی امرنا هذا ما لیس منہ نئی بات نکالی جو دین میں سے نہ ہو، وہ باطل و مردود ہے۔

یعنی ہمارا دین اسلام ایسا روشن اور محکم ہے جس کے ہر حصے ہوئے کسی اور چیز کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ پس جس کسی نے اس روشن دین میں کوئی قولی یا فعلی بدعت نکالی جو کتاب و سنت میں نہ ہو۔ یعنی کتاب و سنت سے مستنبط نہ ہو، تو وہ باطل و مردود ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے کہ بہترین باتوں اما بعد فان خیر میں کتاب خیر ہے۔ اور بہترین للحدیث کتاب اللہ طریقوں و سیرتوں میں نیک طریقہ

وخیر القدی حدی و سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں محمدی ۱۰ و شوالا موسیٰ اور تمام بدترین چیزوں میں بدترین محمدی ثانیہا و کل حبیۃ چیز کسی بدعت کا ایجاد کرنا ہے۔ ضلالہ۔ (رداء مسلم) اور ہر بدعت گمراہی کا سبب ہے۔ یعنی آپ نے ایک خطبہ میں بعد حمد و صلوة کے فرمایا کہ کتاب و سنت کی پیروی بہترین ہدایت و سعادت ہے۔ اور دین میں نئی نئی باتوں کا ایجاد کرنا اور بدعت نوازی بدترین گمراہی ہے۔

عن ابن عباس قال ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغض سلم نے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک الناس الی اللہ ثلاثہ محلل گروہ مسلمانوں میں سے بدترین دشمن فی الحرم و مبتغ فی الاسلام تین شخص ہیں۔ اول حرم میں الحاد سنت الجاہلیہ و مطلب کرنے والا۔ دوم اسلام میں

دما مرعہ مسلم بغیر جاہلیت کا طریقہ طلب کرنا والا۔ حق لیھ صق دما۔ سوم مسلمان آدمی کا ناحق خون (رداء البخاری) طلب کرنے والا، تاکہ اس کا خون بہائے۔ (روایت کیا اسکو بخاری،

یعنی اول وہ شخص جو زمین حرم میں حق سے باطل کی طرف میل کرے، یعنی ان چیزوں کا ارتکاب کرے جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ مثلاً جنگ و جدال کرنا اور شکاک کرنا وغیرہ۔ دوم وہ شخص جو اسلام میں جاہلیت کی باتیں روا رکھے۔ سوم خون ناحق بہاؤ والا۔

عن ابی ہریرۃ رضی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے

بید خلوت اس شخص کے جو سرکشی کرو۔
 الجنة الا من پوچھا گیا، یا رسول اللہ سرکشی
 ابی، قیل ومن کرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا
 ابی؟ قال من جس نے میری اطاعت کی
 اطاعتی دخل الجنة وہ بہشت میں داخل ہوگا۔
 ومن عصاے اور جس نے میری نافرمانی کی
 فقد ابی۔ اس نے سرکشی کی۔ در روایت
 (سہ ماہ البخاری) کیا اسکو بخاری نے،

اس میں رسول اللہ کی اطاعت سے مراد ہے
 کتاب و سنت سے تمک کرنا۔ اور کتاب و سنت
 کو چھوڑ کر خواہشات نفس کی پیروی کرنے والا اور بدعت
 جاری کرنے والا خدا کے رسول کا نافرمان اور سرکش ہے۔

عن جابر جابر رضی اللہ عنہ فرماتے
 رضی اللہ عنہ ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
 قال جاءت کے پاس فرشتوں کی ایک
 ملائکہ ایلے جماعت آئی۔ حالانکہ آنحضرت
 النبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعلم سو رہے تھے۔ پس فرشتوں
 وھونا ثم نے ایک دوسرے سے کہا، کہ

فقالوا ان لصاحبکم بیشک تمہارا صاحب جو یہ
 هذا مثلاً معلم، اسے وہ قصہ اور
 فاضربوا لہ مال بیان کرو، تاکہ وہ جان
 مثلاً قال لے، اور اپنی امت کو بتلاؤ۔

بعضھم انہ بعض فرشتوں نے کہا، کہ
 ناعم و قیل آپ سو رہے ہیں۔ پھر
 بعضھم ان اس کو بیان کرنے سے کیا
 العین ناعمہ فائدہ؟ اس پر بعض فرشتوں

والقلب یقظان نے کہا کہ ان کی آنکھ خواب میں
 فقالوا مثلاً ہے، لیکن دل بیدار ہے۔ پس
 کمثلاً سہل ذکر کیا اس قصہ عجیب اور
 بنی داسرا وجعل حال عجیب کو اور کہا قصہ و حال
 فیہا مادبہ عجیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماتہ
 و بعث دا عیا اس قصہ و حال کے ہے کہ ایک
 فمن اجاب شخص نے ایک گھر بنایا، اور
 الداعی دخل اس میں طعام عام کا دسترخوان
 الداسر و اکل بچھلایا۔ اور اس مرد نے کسی کو
 من المادبہ بیجا، کہ اس کھانے پر تمام
 ومن لم یجب لوگوں کو بلائے۔ سو کسی نے
 الداعی لم بلائے والے کی پکار کو سنا، گھر میں
 یدخل الداسر میں داخل ہوا۔ اور اس نے کھانے
 ولم یاکل من کو کھایا۔ اور کسی نے نہ اس پکار
 المادبہ کو سنا، نہ گھر میں آیا، اور نہ کھانا
 فقالوا اولوھا کھایا۔ فرشتوں میں سے بعض نے
 لہ یفقیھا قال نے کہا کہ اس فعل اور قصہ کی
 انه ناعم حقیقت رسول اللہ سے بیان کرو۔
 وقال بعضھم تاکہ وہ سمجھ لیں، کہ اس سے کیا
 ان العین مراد ہے۔ اس مرتبہ بعضوں نے
 ناعمہ والقلب پھر کہا، کہ حضور خواب میں ہیں۔
 یقظان فقالوا اور اس پر پھر وہ بارہ فرشتوں نے
 الداسر الجنة کہا کہ ہمیں آپ کی آنکھ خواب
 والداعی محمد میں ہے، لیکن دل بیدار ہے۔
 فمن اطاع پس اس فعل کی تاویل بیان کرو۔
 محمد افقد کہا کہ گھر سے مراد جنت ہے۔
 اطاع اللہ اور اس طعام کی طرف بلائیے اور پھر

ناجی عابد

چند تاریخی جواہر زبیر

(از مولانا سید ستیاج الدین صاحب کا کاغذ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہے۔ بدن مبارک سے جس کپڑے کا اتصال ہو گیا ہے،
 سچے محب کو اس کا تار تار محبوب ہے۔ اور چاہتے
 ہیں، کہ منازل آخرت کی پہلی منزل پھر میں ماضی ہو تو
 اس طور سے کہ محبوب کا کرتہ زیب تن ہو۔ اور یقین ہو
 کہ اس کرتے کی برکت و طفیل سے رحمت خداوندی
 کا فیضان ہوگا۔ اور جب بدن کے ساتھ چند روزہ
 اتصال کی بنا پر کرتے کے متعلق اس قدر عقیدت ہے
 تو ناخن اور مونے مبارک تو پھر بھی بدن کے اجزاء
 ہی ہیں۔ اور اس مقدس بدن سے جدا کئے گئے
 ہیں۔ لہذا آخری گھڑی میں جب کہ اور سائے دنیوی
 وسائل ختم ہو چکے ہیں، حضور کے صحابی اور سچے
 عاشق صرف اس وسیلہ کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور
 اپنی آنکھوں اور منہ میں بھر کر دربار خداوندی میں
 حاضر ہوتے ہیں۔ ساضی اللہ تعالیٰ عنہ و
 عن سائر الصحابة و عشاق سید

آثار نبوی سے برکت اندوزی :

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس
 آثار نبوی میں سے ایک کرتہ، ناخن اور مونے مبارک
 تھے۔ زندگی بھر برکت کے لئے ان کو اپنے پاس رکھا۔
 وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی، کہ
 مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کرتہ
 مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لئے محفوظ
 رکھا ہے۔ اور ناخن اور مونے مبارک شیشہ
 میں محفوظ ہیں۔ اس کرتے میں مجھے کفایا جائے،
 اور ناخن اور مونے مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر
 بھر دینا۔ شاید خدا اس کی برکت سے رحم فرمائے۔

(استیعاب بن عبد البر ج اول)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت
 اور الفت و تعلق کی اس سے بڑھ کر اور وسیلہ کیا ہو سکتی

لَقِيَهُ هَذَا مِنْ عَصَى مُحَمَّدًا
 فَقَدْ عَصَى اللَّهَ - وَفُجِحَ فِرْق
 بَيْنَ النَّاسِ - (سہاواة البخاری)

پس جس نے محمد کی اطاعت کی اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے
 محمد کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اور محمد درمیان کافروں میں
 اور عامی و مطیع کے فرق و تیز کرنے والے ہیں۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لوگوں کو بشت کی نعمتوں کی طرف دعوت دینے اور ابدی راحت
 کی طرف بلائے آتے ہیں۔ جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے خدا
 کی نافرمانی کی۔ پس اطاعت محمد ہی مسلمانوں کی فلاح و نجات کا راستہ ہے و

المرسلیں ۵

خدا رحمت کنایں عاشقان پاک طینت را

آثار صالحین برکت اندوزی

سلطان محمود غزنوی المتوفی ۵۰۱ھ حضرت
ابو الحسن خرقانی المتوفی ۵۲۲ھ کی خدمت میں ایک دفعہ
خرقان جاکر حاضر ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت محمود
نے عرض کیا، کہ مجھ کو کوئی نشانی دیجئے۔ آپ نے
اپنا پیرا ہن عطا فرمایا۔ اور اس کو سلطان نے بعد
خوشی لیکر بطور تبرک اپنے پاس رکھا۔ جب
ہندوستان کے مشہور مرکزی مندر سومات
پر پڑھائی کی، اور عین حالت لڑائی میں کفار کا پلہ
غالب نظر آنے لگا، اور خطرہ ہوا کہ مسلمان کہیں
شکست نہ کھا جائیں، سلطان گھوڑے سے کود
کر اور حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی کے اس
پیرا ہن مبارک کو ہاتھ میں لیکر دعا مانگی، کہ
اے الہی! اس پیرا ہن کے طفیل فتح نصیب
فرما۔ رحمت خداوندی سے دعا مقبول ہوئی
اور اللہ تعالیٰ نے سلطان کو فتح مندی نصیب
فرمائی۔ لکھا ہے، کہ اسی شب محمود نے خواب
میں حضرت شیخ کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ محمود!
تو نے ہمارے فرقہ کی کچھ عظمت
تمہیں کی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے
چاہتا، کہ یہ تمام کافر مسلمان ہو
جائیں، تو سب مسلمان ہو جاتے۔
معلوم ہوا، کہ محمود بت شکن اور غازی
ہند تبا، جب اس نے صالحین اور بندگان

خدا کے ساتھ عقیدت و محبت پیدا کی۔ اور
ان کے تبرکات تک کو سرانگھوں پر جگہ دی۔
میدان جہاد میں تیغ و سپر اور تیروستان کے
ساتھ ساتھ ان آثار صالحین سے بھی کام لیا گیا۔
اور درحقیقت ان پاک نفوس کے انفاس کی
برکتیں ہیں۔ اور ان کی دعا ہیں، کہ اس کفر
زار میں تو حید کی روشنی پھیل گئی۔ آج ماہ
و ظا ہر پرستی اور مظاہرہ بیخ کا زمانہ ہے۔ اس
لئے دعا و توجہات کی برکات سے انکار،
اور صالحین سے بعد و ہجران ہوتا جا رہا ہے۔

بادشاہ ہند اور بادشاہ کونین کے اسم مبارک کی تعظیم

سلطان ناصر الدین محمود ابن القشقلی المتوفی
۶۶۲ھ کا ایک مصاحب تھا محمد نام۔ سلطان کی عادت
تھی کہ اسے محمد نام کسر پکارتا۔ ایک دفعہ مصاحب
سے فرمایا کہ تاج الدین یہ کام کر۔ ندیم نے حکم کے
موافق وہ کام کیا۔ اور بعد از فراغ گھر گیا۔ اور تین
دن تک حاضر دربار نہ ہوا۔ سلطان نے آدمی بھیج کر
طلب کیا۔ اور غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ ندیم نے
عرض کی، کہ مجھے حضرت بادشاہ ہمیشہ میرا نام محمد
سے کرنا شاد فرماتے۔ اس روز خلاف عادت تاج
الدین خطاب کرنے سے مجھے یقین ہوا، کہ میرے متعلق

علم سے دینی دنیاوی مدارج کی بلندی

حضرت امام ابو یوسفؒ کا واقعہ ہے، کہ قاضی القضاۃ ہونے کے بعد ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ مل کر ایک دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ ہارون الرشید نے فالودہ کا پیالہ بڑھایا جو روغن پستہ میں تیار کیا گیا تھا، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا: کل منہا فلیس فی یہ بھی کھا لیجئے۔ ایسا ہمارے کل یوم یعمل لنا ہاں بھی ہمیشہ تیار نہیں ملتا۔ ہٹوا کر تا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فالودہ کا پیالہ ہاتھ میں لے کر کھلتے جاتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ کچھ مسکراتے بھی تھے۔ ہارون الرشید نے پوچھا، حضرت! اس ہنسنے کی وجہ کیا؟ آپ نے فرمایا، کہ مجھے اپنی ابتدائی کا ایک واقعہ یاد آیا۔ اس کی یاد سے ہنسی آتی ہے۔ ہارون نے کہا وہ کیا؟ فرمایا کہ میں بچہ ہی تھا، کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ صرف میری والدہ سرپرست تھیں۔ کچھ بڑا ہوا تو ماں نے مجھے ایک دھوبی کے ہاں لے جا کر نوکر رکھا۔ لیکن میرا جی دھوبی کے ہاں نہیں لگتا تھا۔ اور بھاگ بھاگ کر میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس میں آ جاتا۔ پیچھے سے والدہ آکر اور ہاتھ پکڑ کر مجھے حلقہ سے اٹھا لیتیں۔ اور بہ زور دھوبی کے پاس لے جاتیں۔ آخر ایک دن والدہ خود امام صاحب کے پاس آئیں، اور فرمایا کہ دیکھئے اس بچہ کو کیا ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سوا اس کو کوئی استاد ہی نہیں ملتا حضرت یہ بچہ یتیم ہے۔ میں بڑی شکل سے سوت کات کات کر اسکی پرورش کرتی ہوں۔ چار مہینے ہوں کہ خود بھی کوئی

مزاج عالی میں کچھ تغیر ہوا ہے۔ اور ناراضگی کی وجہ سے بیگانوں کی طرح لقب سے بلایا۔ اس لئے تین روز سے بے قرار پریشان ہوں۔ سلطان نے فرمایا، کہ ہرگز نہیں۔ آپ سے کچھ ناراضگی اور گرائی خاطر نہیں۔ صرف بات یہ تھی، کہ میں اس وقت بے وفو تھا۔ مجھے شرم آئی، کہ بے وضو اسم مبارک چھل مٹے اللہ علیہ وسلم کا زبان پر جاری کروں۔ اس واسطے تجھے تاج الدین لقب کے ساتھ آواز دی۔ (ترجمہ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۲۲)

ہندوستان کی سرزمین پر ایسے ایسے دین دار، متقی اور پاکیزہ بھی حکمرانی اور فرماں رواٹی کر گئے ہیں۔ بلاشبہ یہ کہنا صحیح ہے، کہ خلفاء راشدین اور حضرت محمد بن عبد العزیزؒ کے بعد ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے والے اور صحیح اسلامی خلافت کو قائم کرنے والے محدودے چند حضرات تھے۔ جن میں سب سے نمایاں حیثیت اس سلطان کو حاصل تھی، جس نے شاہی میں فقری کی۔ خود نہایت سادگی میں رہے۔ شاہانہ تکلفات کو یکسر ترک کیا۔ لیکن اپنی رعایا پر شفقت و رحمت کرنے اور انصاف پروری میں شہرہ آفاق تھے۔

اطراف ممالک ہندوستان در محدث
ہر انصاف سرور شد (طبقات ناصر)
علامہ اقبال مرحوم نے اس کا صحیح نقشہ پیش

کیا ہے

حکمرانے بود و سامانے نداشت
دست او جز تیغ و قرآنے نداشت

پیشہ دو پیشہ کماٹے۔ حضرت امام صاحبؒ اس پر میری ماں کو سمجھایا۔ اور اس وقت خدا جانے کون سا وقت تھا کہ حضرت امام صاحبؒ کی زبان مبارک پر یہ فقرہ جاری ہو گیا۔

ذعیہ یا سہ عناء
فانہ یتعلم اکل
الغنا لودج بدھن
الغسوق

یہ مٹی صاحبہ! اس بچہ کو پلو چھوڑ دیجئے۔ یہ روغن پستہ میں تیار کئے ہوئے فالودہ کے کھانیکا علم سکھ رہا ہے۔

اس پر والدہ ناراض ہو کر اور یہ کہہ کر چلی گئیں کہ تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس لئے اس طرح کی ہلکی باتیں کر رہا ہے۔

(امام ابو یوسفؒ نے قصہ کے بعد فرمایا) آج حضرت امامؒ کے اس فقرہ کی تعبیر پارہا ہوں۔ اس لئے بے اختیار یہی آگئی۔ ہارون نے واقعہ سنا تو متعجب ہوا اور پھر کہا:

لعمری ان العلم ہاں قسم ہے، بیشک علم دین لیرفع و ینفع بلند کرتا اور دین و دنیا دونوں دینا و دنیا کو نافع ہے۔

(مناقب ثوفیق بن احمدؒ ج ۲ ص ۲۳۱)

امام الائمہ سراج الائمہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی فرائیما فی اور دور یعنی اور کشف و کرامت کا اندازہ تو خیر آپ اسی سے لگائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ علم کی برکت و کرامت کو بھی سمجھ جائیے۔ غریب والدین کا قیمتی بچہ جو خود اپنی والدہ نظروں میں بھی صرف دھوبی کی نوکری کے لئے منتخب ہو سکتا تھا۔ علوم دینیہ کی برکت سے اس رتبہ علیا پر فائز ہوا، کہ خلافت عباسیہ کے اس دور میں جبکہ عباسیہ سلطنت انتہائی عروج پر تھی، تمام ممالک محروسہ کا وہ قاضی القضاۃ بنا۔ اور خود خلیفہ وقت

ہارون الرشید ایک ادنیٰ نوکر کی طرح اس کی تعظیم بجالاتا۔ اور اس کو اپنے لئے فخر سمجھتا ہے۔ واقعی ہارون الرشید نے کتنا صحیح جملہ استعمال کیا ہے: "ان العلم لیرفع و ینفع دنیا و دنیا"

یہ درست ہے، کہ ہر پڑھانے والا استاد ابو یوسفؒ نہیں۔ اور ہر قیمتی بچہ پڑھنے والا ابو یوسف نہیں۔ اور نہ ہارون کا دور خلافت ہے۔ کہ ہر پڑھا ہوا قاضی اور قاضی القضاۃ بن سکے۔ لیکن یہ اب بھی درست ہے کہ علم کی برکت سے سینکڑوں گناہ اور کس پیرس خاندان اپنے چند قیمیوں اور مفلسوں کی برکت سے نامور اور مشہور ہو جاتے ہیں، جو قیمی و اخلاص ہی کی وجہ سے یونیورسٹیوں کی بجائے کسی دینی مدرسہ میں پڑھ لیتے ہیں۔ آج بھی ایسے سینکڑوں طلبہ گے جو ابتدائی زندگی میں فقر و فاقہ سے بسر کرتے اور "باسی روٹیاں" کھا کر الکتاب علم کرتے رہے۔ لیکن اس علم کے طفیل اب ان کو عزت و جاہلیت کے ساتھ ساتھ "روغن پستہ" کا فالودہ بھی نصیب ہے۔ خود کرنے والوں نے کبھی بغور نہیں کیا۔ ورنہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ان مدارس عربیہ اور تعلیم و تدریس کے سلسلے کا ایک محسوس فائدہ یہ بھی ہے، کہ انفرادی اور دینی فوائد و منافع کے علاوہ ادنیٰ طبقہ کے کتنے لوگ ہر سال تدریجاً اعلیٰ طبقہ میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان کی حالت پہلے کی نسبت بہر حال بہر جہت بہتر رہتی ہے۔ اگر کسی نے حناؤ اکھا ہے ج کہ وہ کھو گئے اور تعلیم پا کر۔

تو وہ حقیقت وہ خود کھوایا گیا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہو کہ یہ فقر کذب و افتراء ہے۔ علم دین کی تعلیم و تعلم سے نہ ماضی میں کوئی کھوایا اور نہ آج کوئی کھویا جا رہا ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ نہ العلم لیرفع و ینفع دنیا و دنیا

علم حدیث اور حضرات محدثین

(حضرت مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ صاحب اعظمی مئو ضلع اعظم گڑھ)

حفظ حدیث کا اہتمام بلیغ

حمد نبوی : حمد نبوی میں حدیثوں کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ اہتمام تھا، کہ صحابہؓ حدیثوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حدیثیں سنتے رہتے تھے۔ جب آپ مجلس سے اٹھ جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دور کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی کل حدیثیں بیان کر جاتا۔ پھر دوسرا، پھر تیسرا۔ بسا اوقات ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے تھے۔ اور وہ ساتھوں باری باری سے بیان کرتے تھے۔ اس کے بعد جب ہم اٹھتے تھے، تو حدیثیں اس طرح ذہن نشین ہوتی تھیں کہ گویا ہمارے دلوں میں بودی گئی ہیں۔ (مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۹۱)

حضرت معاویہؓ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حمد نبوی میں فرض نمازوں کے بعد مسجد میں صحابہ کرامؓ بیٹھ جاتے اور قرآن پاک اور احادیث نبویؐ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ (مسند رک جلد ۱ ص ۹۱)

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ جب کہیں بیٹھتے تھے تو ان کی گفتگو کا موضوع فقہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہوتی تھیں۔ یا پھر یہ کہ کوئی آدمی قرآن پاک کی کوئی سورۃ پڑھے، یا کسی سے پڑھنے کو کہے۔ (مسند رک جلد ۱ ص ۹۱)

دور کرنے کے علاوہ انفرادی طور پر حدیثوں کو اذہر کرنے کا بڑا اہتمام تھا۔ اور جن کو کوشش کرنے کے باوجود حدیثیں یاد نہ ہوتی تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کرتے تھے۔ اور پوچھتے تھے۔ کہ حدیثوں کو محفوظ رکھنے کی کیا تدبیر کریں۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ کے بیان سے اوپر (ذیر عنوان حمد نبوی میں حدیث کی کتابت) معلوم ہو چکا ہے۔ تیرا ابو ہریرہؓ کا یہ بیان بھی آپ پڑھ چکے ہیں، کہ حدیثوں کو میں صرف دل سے یاد کیا کرتا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اذہر کرنے کے ساتھ لکھتے بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان مسلم جلد ۱۰۔ ابن ماجہ ص ۱۱ وغیرہ میں ہے۔ کہ کنا حفظ الحدیث، یعنی ہم حدیثیں یاد کرتے تھے۔ اس قسم کے مزید واقعات نقل کر کے بات کو طویل دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ صرف ایک بات لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو تاکید یہ حکم تھا، کہ جو لوگ میری مجلس میں حاضر ہوں وہ بغیر عارضوں کو میری حدیثیں ضرور پہنچادیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۱)

نیز ان لوگوں کے حق میں ترد تازی و سرسبزی کی دعا فرمائی تھی جو آپ کی حدیثوں کو سن کر خوب اچھی طرح یاد کر لیں، اور پھر ان کو بخیرہ دو سروں تک پہنچادیں :-

نضر اللہ عبد المصیح اللہ تعالیٰ اُس بندہ کو سبزی
مقالتی (دو فی سہاویۃ) خوش، لکھے جو میری
حدیثناکما فی الدارمی کوئی حدیث سن کر یاد
مدۃ، لحفظہا ووعاھا کرے اور خوب سمجھ
واداھا دو فی سہاویۃ لے، پھر اس کو جس طرح
فیلغہ، داسہی مدۃ، سنایا، اسی طرح دوسرے
کہا مصحح۔ مشکوٰۃ تک پہنچا دے۔

مدۃ بحوالہ احمد قرطبی، ابو داؤد، ابن ماجہ و دارمی
صحابہ کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ سمجھ
سکتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی
تعمیل اور اس دعا میں اپنے کو شامل کرنے کے لئے انہوں
نے ہرگز کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا ہوگا۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے،
عبداللہ بن عباسؓ میں بھی حدیثوں
اہتمام تھا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے شاگردوں کو
برابر یاد کرنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ اور محفوظ رکھنے
کی تدبیر بھی بتایا کرتے تھے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے،
تذاکم والحدیث حدیثوں کا آپس میں ذکر
لا ینقلت منکم (دور) کیا کرو۔ ایسا نہ ہو
(دارمی مدۃ) کہ تمہارے ہاتھ سے نکل جا۔

(۲) یہ بھی فرمایا کرتے تھے،
سہد والحدیث و حدیث کو دہر بار پڑھکر
استذکرہا فانہ دہرایا کرو اور اس کو مستحضر
ان لم تذکرہا کرو۔ اگر اس طرح یاد نہ کرو
ذہب۔ (دارمی مدۃ) گئے تو جاتی رہیگی۔

(۳) ان کو یہ تاکید بھی تھی، کہ ہر روز کچھ حدیثیں

بیان کیا کریں۔ فرماتے تھے، کہ کوئی بیخیال کرے،
کہ ابھی تو کل بیان کیا ہے، لہذا آج نہ بیان کروں گا۔
نہیں آج بھی بیان کرو اور پھر کل (آئندہ) بھی بیان
کرنا۔

(۴) حضرت ابو سعید خدریؓ بنا بھی آپس میں
حدیث کے مذاکرہ کی تاکید کیا کرتے تھے۔
(دارمی مدۃ و مستدرک ج ۱ مدۃ ۹)

بلکہ وہ اس باب میں اتنے سخت تھے، کہ شاگرد
اگر درخواست کرتے کہ حدیثیں لکھو ایسے تو انکار کر دیتے
تھے۔ اور فرماتے تھے، کہ جس طرح ہم نے آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کو سنکر حفظ کیا ہے تم بھی حفظ
کرو۔ (دارمی مدۃ ۶۶)

(۵) حضرت علی مرتضیٰؓ اپنے شاگردوں سے فرمایا
کرتے تھے،

تذاکم والحدیث حدیثوں کو باہم یاد کیا کرو۔ اس
فانکم الا تفعلوا لے کر اگر ایسا نہ کرو گے تو حدیث
میں (مستدرک ج ۱ مدۃ ۹) مٹ جائے گی۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سخت تاکید تھی کہ،
تذاکم والحدیث حدیثوں کا مذاکرہ کرتے رہو
فان ذکم الحدیث کہ یہی اسی کے بقا کا سامان
حیات ہے۔

(مستدرک ج ۱ مدۃ ۹ و دارمی مدۃ)

(۷) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے،
تذاکموا و اتذکروا ایک دوسرے سے ملنے رہو
الحدیث ولا تترکوا اور باہم حدیث کا مذاکرہ
میں رہو۔ کرتے رہو۔ اس کو چھوڑ
(دارمی مدۃ و کنز العمال ج ۵ مدۃ ۲۲۲) نہ دو کہ فنا ہو جائے۔

صحابہ کرام کے شاگرد اپنے اساتذہ کے ان احکام کا پورا احترام کرتے تھے۔ اور حدیثوں کے مذاکرہ میں کبھی غافل نہیں رہتے تھے۔ چنانچہ دارمی ص ۱۷۱ اور تذکرہ ص ۱۷۱ میں عطاء کا بیان ہے، کہ جب حضرت جابرؓ کے پاس سے حدیثیں سنکر اٹھتے تھے، تو باہم مذاکرہ کرتے تھے۔ ہمارے ہم سبقوں میں ابو ہریرہؓ کا حافظہ عجیب تھا۔ ان کو سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہوتی تھیں۔

مسند رک ج ۱ ص ۹۹ میں ابن بربدہ کا بیان ہے کہ ہم مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے اور احادیث نبویہ کا مذاکرہ کرتے۔ دارمی ص ۱۷۱ پر ہے، کہ زہری عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا مذاکرہ کرنے بیٹھتے تو صبح تک یہ مشغلہ جاری رہتا۔ دارمی میں یہ بھی ہے، کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں کھتے رہتے ہو۔ اور کہیں ایک جگہ بیٹھ کر حدیث کا مذاکرہ بھی کرتے ہو؟ شاگردوں نے جواب دیا، کہ ہم کو تو اس کا اتنا اہتمام ہے، کہ ہمارا کوئی ساتھی کبھی غائب ہو جاتا ہے، تو اگر وہ کوفہ کے آخری سرے پر بھی ٹہا ہے تو وہیں جا کر اس سے ملتے ہیں۔ (ص ۱۷۱)

یونس کا بیان ہے کہ جب ہم حسن بصری کے پاس سے حدیثیں سنکر اٹھتے تھے تو آپس میں اس کا دور اور مذاکرہ کرتے تھے۔ (دارمی ص ۱۷۱)

اسماعیل بن رجاہ کا دستور تھا، کہ کوئی نہ ملتا تو مکتب کے لڑکوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے حدیثیں بیان کرتے، تاکہ حدیث کی مشق میں نافع ہو، اور بھولنے نہ پائیں۔ (دارمی ص ۱۷۱، تہذیب ج ۱ ص ۲۹۷)

حفظ حدیث کے لئے صحابہ وتابعین اور اتباع تابعین کا یہ غیر معمولی اہتمام آپ نے ملاحظہ کیا۔ اس کے ساتھ اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھئے، کہ قدرت کی طرف سے ان حضرات کو کس قدر حیرت انگیز قوت یادداشت اور غیر معمولی حافظہ عطا ہو چکا تھا۔ جس کی نظیر آج مشکل سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ پس ان حالات اور واقعات کے باوجود یہ خیال قائم کر لینا کہ زبانی روایت پر دار و مدار ہونے کی وجہ سے حدیثیں کچھ سے کچھ ہو گئیں۔ انصاف کا خون یا تاریخی حقائق سے چشم پوشی اور زری وہم پرستی ہے۔

مسند رک ج ۱ ص ۹۹ میں ابن بربدہ کا بیان ہے کہ ہم مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے اور احادیث نبویہ کا مذاکرہ کرتے۔

دارمی ص ۱۷۱ پر ہے، کہ زہری عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا مذاکرہ کرنے بیٹھتے تو صبح تک یہ مشغلہ جاری رہتا۔ دارمی میں یہ بھی ہے، کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں کھتے رہتے ہو۔ اور کہیں ایک جگہ بیٹھ کر حدیث کا مذاکرہ بھی کرتے ہو؟ شاگردوں نے جواب دیا، کہ ہم کو تو اس کا اتنا اہتمام ہے، کہ ہمارا کوئی ساتھی کبھی غائب ہو جاتا ہے، تو اگر وہ کوفہ کے آخری سرے پر بھی ٹہا ہے تو وہیں جا کر اس سے ملتے ہیں۔ (ص ۱۷۱)

صحابہ کے بعد تابعین کا دور آیا تو محمد تابعین نے وہ بھی اپنے شاگردوں کو حدیثوں کو حفظ کرنے کے لئے دور اور مذاکرہ کی ہدایتیں کرتے رہے۔ چنانچہ دارمی میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؓ ہری اور طقمہ کی وہ ہدایات قریب قریب صحابہ کے تذکرہ بالا الفاظ میں منقول ہیں۔ انہی تاکیدوں کا نتیجہ تھا، کہ عمارت بن یزید

صحابہ وتابعین کا غیر معمولی حفظ میں نے ابھی ابھی صحابہ وتابعین کی حیرت انگیز قوت یادداشت کا جو ذکر کیا ہے، وہ محض خوش اعتقاد ہی کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ واقعات کی روشنی میں یورپی ذمہ داری کے ساتھ میں نے اس بات کو لکھا ہے۔ اسماء الرضاؓ اور مذکرہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے

والوں پر تو میرے اس بیان کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے۔ لیکن جن کو یہ موقع نہیں ملا ہے ان کے اطمینان و تشفی کے لئے چند تاریخی واقعات نقل کئے جاتے ہیں :-

۱) صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا نام کون نہیں جانتا۔ مورخ اسلام حافظ ذہبیؒ کی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں خود انہی کا بیان ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ تم مال غنیمت سے حصہ نہیں مانگتے۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے علم کی دولت مانگتا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری چادر میرے جسم سے اتار کر بیچ میں پھیلادی۔ اور حدیثیں بیان کرنا شروع کیں۔ فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ چادر کو اپنے سینے سے ملاؤ۔۔۔۔۔۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد سے میرا حال ہو گیا کہ ایک حرف بھی آپ کی حدیث کا جھکو نہیں بولتا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۳)

۲) تابعین میں ایک مشہور و معروف مفسر اور حافظ حدیث قتادہؒ ہیں۔ ان کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں، کہ قتادہ جو کچھ سن لیتے تھے انکو یاد ہو جاتا تھا۔ ان کے سامنے ایک دفعہ حضرت جابرؓ کا صحیفہ (یعنی حضرت جابر کی روایت کی ہوئی حدیثوں کا مجموعہ) صرف ایک دفعہ پڑھ دیا گیا۔ ان کو کل یاد ہو گیا۔ خود قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے کبھی کسی استاد سے دہرانے کی خواہش نہیں کی۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز میرے کان میں پڑے اور وہ میرے دل میں نہ بیٹھ جائے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۶)

۳) ایک نہایت جلیل القدر تابعی (آل شعبیؒ میں

وہ ایک دن آنحضرتؐ کے غزوات کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ اتفاق سے عبداللہ بن عمرؓ صحابی، کلاہ سے گزرتے ہوئے۔ اور انہوں نے شعبیؒ کا بیان کرنا سنا، تو فرمایا، کہ باوجودیکہ میں ان غزوات میں خود شریک تھا، لیکن شعبیؒ کو مجھ سے زیادہ واقعات یاد ہیں۔ اور وہ مجھ سے زیادہ باخبر ہیں۔ (تذکرہ ص ۱۷)

شعبیؒ خود کہتے تھے کہ میں نے کبھی کوئی چیز لکھی نہیں، لیکن حافظہ ایسا ہے کہ کسی نے کوئی حدیث بیان کی تو اس کو بھولا بھی نہیں۔ اور یہ بھی نہیں ہوا کہ کبھی میں نے استاد سے دوبارہ بیان کرنے کی خواہش کی ہو۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷)

یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے اشعار ہر چیز سے کم یاد ہیں تاہم اگر میں تم کو اشعار سنانا شروع کر دوں تو ایک مہینہ تک کوئی شعر گر نہیں سناؤں گا۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷)

۴) ابو صالحؒ کا طے کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ ان سے ایک ہزار حدیثیں سنی تھیں۔ جیسا کہ خود ہمیشہ کا بیان ہے۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۱۷)

۵) کھول خود اپنی نسبت فرماتے تھے کہ میں نے جو چیز اپنے سینے میں رکھی، پھر جس وقت چاہا اسکو اپنے سینے میں موجود پایا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۳۷)

۶) زہریؒ کا بیان ہے کہ زہریؒ سے ایک شخص نے حدیثیں لکھوانے کی درخواست کی۔ انہوں نے اسکو چار سو حدیثیں لکھوا دیں۔ ایک مہینہ کے بعد اس شخص سے پھر ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ وہ نوشتہ (جس میں چار سو حدیثیں لکھی تھیں) کھو گیا۔ زہریؒ نے دوبا وہ حدیثیں اس کو لکھوا دیں۔ جب اس نے دونوں نوشتوں کا مقابلہ کیا تو ایک حرف کا بھی فرق نہ تھا۔

(تذکرہ ج ۱ صفحہ ۱۳۰)

(۴) شعبہ (تابعی) کو اتنی کثرت سے حدیثیں یاد تھیں کہ ابوداؤد طلیاسی نے ان سے سات ہزار حدیثیں سنی تھیں۔ اور حنظلہ نے بھی اتنی ہی حدیثیں ان سے سنی تھیں۔ شعبہ کا لپٹا خود بیان ہے کہ صرف ایک ابو الزبیر سے سنی ہوئی مجھ کو سو حدیثیں از بر ہیں۔

(تذکرہ ج ۱ صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴)

(۵) حماد بن سلمہ (تابعی) کے پاس قیس بن سعد کی مرویات کے سوا کوئی حدیث لکھی ہوئی نہیں تھی۔ یاس بن عہم بھی بن الفریس کے پاس حماد سے سنی ہوئی دس ہزار حدیثیں تھیں۔ اور عمر بن حاصم کا بیان ہے کہ میں نے حماد سے دس ہزار سے بھی زیادہ حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۱۹)

(۶) سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں نے اپنے سینہ کو (احادیث کی) جو امانت بھی سپرد کر دی، اس نے کبھی خیانت نہیں کی۔ یحییٰ قطان کا بیان ہے کہ میں نے سفیان سے زیادہ حدیث کا حافظ نہیں دیکھا۔

(تذکرہ ج ۱ صفحہ ۱۹۱)

(۷) اسرائیل کا بیان ہے کہ میں ابو اسحاق کی مرویات کو اس طرح یاد رکھتا تھا، جیسے قرآن کی سورتوں کو۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۱۹۶)

(۸) ابن سعد کا بیان ہے، کہ وہ سب اپنی یاد سے حدیثیں لکھواتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۱۱) باوجودیکہ ان کی روایات بہت زیادہ ہیں۔

(۹) رشیم کے پاس بیس ہزار حدیثیں تھیں ابن ہدی کا بیان ہے کہ وہ سفیان ثوری سے بھی بڑھ کر حافظ حدیث تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۲۹) ثوری کا حال اوپر پڑھ چکے ہو۔

زہری کے بھتیجے کا بیان ہے، کہ زہری نے صرف اتنی باتوں میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا۔ خود زہری کا بیان ہے کہ میں نے کسی حدیث کے متعلق کبھی دو بارہ یا کرنے کے لئے استاذ سے نہیں کہا۔ نہ کبھی کسی حدیث میں شک ہوا تھا۔ صرف ایک دفعہ ایک حدیث میں شک ہوا تھا۔ مگر میں نے اس کی نسبت بھی اپنے ہم سبق سے پوچھا تو وہ اسی طرح تھی جس طرح میں نے اسے یاد کیا تھا۔ (تذکرہ صفحہ ۱۳۰)

تابعین کے بعد کے طبقے

صحابہ و تابعین کے بعد کے طبقوں میں بھی قوتِ یادداشت کی یہی فراوانی تھی۔ بلکہ ان طبقوں میں حافظہ کی بعض مثالیں پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز ملتی ہیں۔

(۱) مغیرہ قصبی (تابعی) کے حافظہ کا حال خود ان کے بیان کے مطابق یہ تھا، کہ جو بات ان کے کان میں پڑ گئی، اسکو پھر کبھی نہیں بھولے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۳۵)

(۲) عمرو بن الحارث مصری (تابعی) کی نسبت ہو حاتم رازی کا قول ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظہ میں ان کا ہمسر کوئی نہ تھا۔ اور ابن وہب کا بیان ہے، کہ میں نے ان سے زائد قوی حافظہ کا انسان نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۳۶)

(۳) محمد (تابعی) کا بیان ہے، کہ میں نے چودہ برس کی عمر میں قتادہ سے جو حدیثیں سنی تھیں، جو کچھ اس وقت سنا تھا آج تک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے سینے میں لکھا ہوا ہے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۹)

(۱۰) داؤد ضبی کا بیان ہے کہ اسحاق بن عیسیٰ کے ہاتھ میں میرے کتاب کبھی نہیں دیکھی۔ وہ اپنی یاد سے حدیثیں سناتے تھے۔ امدان کو تیس ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۳۲)

(۱۱) ابن جبر کے پاس سات ہزار کے قریب حدیثیں تھیں۔ اور ان سب کو وہ اپنی یاد سے بیان کرتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۳۲)

(۱۲) ابن المبارک کے والد ایک دفعہ انپر خفا ہوئے تو کہا کہ تیری کتاب میں یا گیا تو جلا دو گا۔ ابن المبارک نے کہا اس سے کیا ہو جائے گا؟ وہ سب میرے سینے میں ہیں۔ علی بن الحسن بن شقیق کا بیان ہے۔ ایک رات ابن المبارک مسجد سے نکلے۔ میں بھی ساتھ ہو گیا۔ دروازہ پر انہوں نے حدیث کا ذکر چھڑ دیا۔ مذاکرہ کا سلسلہ اتنا دہرا ہوا کہ جب فجر کی اذان کے لئے مؤذن آیا، تو ہم ابھی مذاکرہ ہی کر رہے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۵۵)

(۱۳) عیسیٰ بن یونس کو اپنی حدیثیں اسقدر یاد تھیں کہ فرماتے تھے: "اگر میری کتاب میں کہیں ایک واو بھی کوئی بڑھا دے تو وہ مجھے چھپ نہیں سکتا"۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۵۹)

(۱۴) یحییٰ بن الیمان کو ایک مجلس میں پانچ سو حدیثیں یاد ہو جاتی تھیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۶۳)

(۱۵) ابو معاویہ ناجینا تھے۔ اس کے باوجود علی بن الدینی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے ڈیڑھ ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔ جریر کا بیان ہے کہ ہم عیش کے پاس سے حدیثیں سن کر اٹھتے تھے، تو باہم مذاکرہ کرتے تھے۔ ہم سب سے ابو معاویہ (ناجینا) سے

زیادہ کسی کو یاد نہ ہوتا تھا۔ خود ابو معاویہ کا بیان ہے کہ آٹھ ملے لوگ اعمش کی مجلس میں میرے محتاج تھے۔ اعمش کے کل شاگرد میرے دروازے پر آتے تھے اور میں ان کی ساری سنی ہوئی حدیثیں بول دیتا تھا وہ لکھ لیتے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۵)

(۱۶) مروان بن معاویہ کو اپنی کل حدیثیں یاد تھیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۵)

(۱۷) ابن معین کا بیان ہے کہ حفص بن عیاض نے بغداد اور کوفہ میں جتنی حدیثیں بیان کی ہیں، سب اپنی یادداشت سے بیان کی ہیں۔ کتاب کبھی نہیں نکالی۔ اور تین چار ہزار حدیثیں ان کی یاد سے لوگوں نے لکھی ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۵)

(۱۸) ابن حمدی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفیان نے مجھ سے کہا کہ کسی محدث کو مذاکرہ کرنے کے لئے میرے پاس لاؤ۔ میں یحییٰ قطان کو ساتھ لے گیا۔ سفیان نے ان سے مذاکرہ کیا تو ہکا بکارہ گئے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۵)

(۱۹) ولید بن مسلم کو پڑھی لکھی حدیثیں اور احادیث کی پیش گوئیوں والی روایتیں خوب یاد تھیں۔ ابواب بھی انکو اذہر تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۹)

(۲۰) احمد بن صالح کا بیان ہے کہ ابن وہب نے ایک لاکھ حدیثیں بیان کی ہیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۵۸)

(۲۱) امام احمد کا قول ہے کہ میں نے وکیع سے بڑھ کر کسی کو حافظ نہیں پایا۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ وکیع ابن المبارک سے بھی بڑھ کر حافظ تھے۔ ابو داؤد کا بیان ہے کہ وکیع کے ہاتھ میں حدیث کے بیان کرنے کے وقت کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۵)

کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۳۲۴)
 (۳۱) سلیمان بن حرب کی نسبت ابو حاتم کا بیان ہے
 کہ ان کی حدیثوں میں سے دس ہزار حدیثیں ظاہر ہوئی
 ہیں۔ اور میں نے ان کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی۔
 (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۳۵۵)

(۳۲) سعید بن منصور اللتوفی ^{۳۲۴ھ} نے دس
 ہزار حدیثیں اپنی یاد سے لکھوائیں۔ جیسا کہ حرب کرمانی
 کا بیان ہے۔ (تذکرہ ج ۲ صفحہ ۵)

(۳۳) ابو زرعہ کا بیان ہے کہ امام احمد کو دس لاکھ
 حدیثیں یاد تھیں۔

(۳۴) ابو داؤد حفاف کا بیان ہے، کہ اسحاق بن
 داہویہ نے گیارہ ہزار حدیثیں اپنی یاد سے لکھوائیں
 پھر ان کو اپنی کتاب سے پڑھ کر سنایا۔ تو نہ کہیں ایک
 حرف بڑا نہ گھٹا۔

(۳۵) امام بخاری کے حافظے کا حال ماثد بن اسماعیل

نے یوں بیان کیا ہے کہ بخاری ہمارے ساتھ حدیث
 سننے کے لئے محدثین کی مجلسوں میں جایا کرتے تھے تو
 لکھتے نہ تھے۔ بہت دنوں تک ہم بھی دیکھتے تھے، ان
 سے اس باب میں کچھ کہتے تو کچھ نہ بولتے۔ ایک دن
 انہوں نے کہا، تم لوگ مجھ کو بہت کہتے رہے۔ لاؤ
 مجھ کو دکھاؤ تم نے اب تک کتنی حدیثیں لکھی ہیں۔
 ہم نے دکھایا تو پندرہ ہزار سے زیادہ حدیثیں تھیں۔
 اس کے بعد انہوں نے ہمارے بیاضیں ہم کو دیدیں۔
 اور ان حدیثوں کو اپنی یاد سے زبانی سننا شروع کیا۔
 تو کل کی کل سنا دیں۔ ان کی یادداشت اتنی درست
 تھی کہ ہم نے ان کی یاد سے اپنی بیاضوں کی غلطیاں
 ٹھیک کیں۔ اس کے بعد بخاری نے کہا، کہ تم لوگ

(۲۲) وکیع کا بیان ہے کہ محمد بن لمبی حدیثوں
 کے بڑے حافظ تھے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۸۵)

(۲۳) یزید بن ہارون کا خود اپنی نسبت یہ بیان
 ہے کہ مجھ کو چوبیس ہزار حدیثیں سند کے ساتھ یاد ہیں۔
 اور وہ بھی اتنی بلی لگ کر ان میں کوئی ایک حرف بھی ملا ہے

تو جان لوں۔ زیاد بن ایوب کا بیان ہے کہ میں سے یزید
 کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۹۲)

(۲۴) زیاد بن ایوب کا بیان ہے کہ ابن علیہ کے
 ہاتھ میں میں نے کبھی کتاب نہیں دیکھی۔ ابو داؤد کا بیان
 ہے کہ ابن علیہ سے حدیث میں کبھی بھول چوک نہیں
 ہوتی۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۲۹۴)

(۲۵) قواریری کا بیان ہے کہ ابن حمدی نے بیس
 ہزار حدیثیں اپنی یاد سے مجھ کو لکھوائیں۔ ذہلی کا بیان
 ہے کہ ابن حمدی کے ہاتھ میں میں نے کبھی کتاب نہیں
 دیکھی۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴)

(۲۶) محمد بن عبید طناقی کی حدیثیں چار ہزار تھیں
 اور سب از بر تھیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۳۰۵)

(۲۷) ابو داؤد طیالسی کی یاد سے لوگوں نے پچاس
 ہزار حدیثیں لکھیں۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۳۲۱)

(۲۸) ابو احمد زبیری کے پاس سفیان ثوری کی
 احادیث کا بہت بڑا مجموعہ تھا۔ فرماتے تھے کہ وہ مجموعہ
 جوڑی ہو جاتے تو مجھ کو اس کی کچھ پروا نہیں۔ وہ سارے
 کا سارا مجھ کو یاد ہے۔ (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۳۲۵)

(۲۹) ابو حاتم کو ایک ہزار کمری حدیثیں یاد تھیں
 اور ہمیشہ اپنی یاد سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔
 (تذکرہ ج ۱ صفحہ ۳۳۳)

(۳۰) علی بن الحسن بن شفیق ابن المبارک کی کتابوں

مجھے ہو، کہ میں اپنا وقت برباد کرنے کے لئے روزانہ آتا ہوں؟ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۳۳) مقدمہ قبح البخاری ص ۵۶۳
خود بخاری فرماتے تھے، کہ مجھ کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح یاد ہیں۔

(تذکرہ ج ۲ ص ۱۳۳ و مقدمہ ص ۵۵۵)

امام بخاری کا یہ واقعہ بھی نہایت مشہور ہے کہ جب وہ بغداد گئے ہیں تو وہاں کے محدثین نے متفق ہو کر ان کے حافظ کا امتحان کرنا چاہا۔ اور اس کی یہ صورت تجویز ہوئی کہ سو حدیثیں چھانٹ کر ان کی سند و متن کو الٹ پلٹ دیا گیا۔ اس کی سند اس کے ساتھ، اور اس کی اس کے ساتھ جوڑ دی گئی۔ پھر دس محدث چنے گئے اور ان میں سے ہر ایک کو دس دس حدیثیں دی گئیں کہ جب مجلس میں سب لوگ باطمینان بیٹھ جائیں تو ایک آدمی آگے بڑھ کر ایک حدیث الٹی الٹی سند و متن سے پڑھ کر امام بخاری سے پوچھے کہ آپ کو یہ حدیث معلوم ہے؟ اسی طرح دسوں حدیثوں کو پڑھ کر پوچھنا جائے۔ جب وہ فارغ ہو جائے تو دوسرا آگے بڑھے۔ اسی طرح دسوں آدمی پوچھیں۔ یہ طے کر کے بخاری کو ایک مجلس میں دعوت دیکر بلایا گیا۔ اور بہت بڑا مجمع کیا گیا۔ اس مجمع میں طے شدہ تجویز کے مطابق جو لوگ مقرر ہوئے تھے انہوں نے پوچھنا شروع کیا۔ بخاری نے ہر سوال کے جواب میں کہا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ جب وہ دسوں آدمی پوچھ چکے تو بخاری نے سب سے پہلے پوچھنے والے کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے پہلی حدیث یوں پڑھی ہے، حالانکہ وہ اس طرح پر ہے۔ اور دوسری حدیث کی سند یہ بیان کی ہے، حالانکہ اس کی سند یوں ہے۔ اسی طرح فردا فردا ہر حدیث کی سند

و متن کی نسبت بیان کر گئے۔ اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان کے بے مثال حافظہ کے قائل ہو گئے۔ (مقدمہ ص ۵۵۳)

(۳۶) امام ترمذی کی یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مکہ کے راستہ میں ان معلوم ہوا کہ فلاں محدث آپ ہیں۔ ترمذی نے اس سفر سے پہلے اس محدث کی روایت کی ہوئی حدیثیں کسی شخص سے لیکر نقل کر لی تھیں۔ اور ان کا خیال تھا کہ وہ اجزاء ان کے ساتھ موجود ہیں۔ اس لئے چاہا کہ اس محدث سے وہ اجزاء سن کر باقاعدہ صحاح حاصل کر لیں۔ لیکن تلاش کیا تو اجزاء سفر میں ساتھ نہ تھے۔ دل نے گوارا نہ کیا کہ یہ سنہری موقع ہاتھ سے چلا جائے۔ اس لئے ایک سادی بیاض ہاتھ میں لے کر اس محدث کے پاس حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ آپ کی کچھ حدیثیں میں نے ایک شخص سے لے کر نقل کی ہیں۔ آپ ان حدیثوں کو اپنی زبان سے سنا دیجئے۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ ترمذی وہی سادی بیاض ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئے۔ اور محدث نے وہ حدیثیں اپنی یاد سے سنانا شروع کیں

اتفاق سے محدث کی نظر بیاض پر جا پڑی۔ دیکھا تو وہ سادی تھی۔ محدث نے غصا ہو کر کہ تم کو مجھ سے شرم نہیں آتی؟ ترمذی نے اس کے بعد قہر سنایا اور کہا، کہ اگرچہ وہ اجزاء ساتھ نہیں ہیں مگر اس میں کی سب حدیثیں مجھ کو زبانی یاد ہیں۔ محدث نے کہا اچھا سناؤ۔ ترمذی نے مسلسل تمام حدیثیں سنا دیں۔ محدث نے پوچھا تم نے اس کو رٹ لیا تھا؟ ترمذی نے کہا کہ نہیں۔ پھر کہا، آپ ان کے علاوہ دوسری سنار بھی امتحان کر لیجئے۔ چنانچہ محدث نے اپنی مخصوص چالیس حدیثیں سنار کر کے

میں سمجھتا ہوں کہ یہ واقعات پڑھتے پڑھتے آپ گھبرا گئے ہوں گے۔ اس لئے اتنی مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ ورنہ اس موضوع پر تو مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

روایت میں محدثین کی بنیظیر احتیاط

اس سلسلہ میں ایک اور چیز بھی بہت زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ کے لئے بڑی بڑی تاکیدیں کی ہیں، وہاں اس بات کی بھی نہایت سخت تاکید کی ہے کہ کوئی غلط بات آپ کی طرف خوب نہ ہونے پائے۔ اس لئے ابتداء ہی سے محدثین کا گروہ حدیثوں کی روایت کرنے میں بے حد محتاط رہا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ اس ڈر سے کہ بیان کرنے میں کچھ کمی بیشی نہ ہو جائے، بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت زبیرؓ کا واقعہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱ میں مذکور ہے۔

حضرت انسؓ کا یہ حال تھا کہ جس حدیث میں انکو ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ یہ حدیث خوب اچھی طرح یاد نہیں ہے تو وہ اس کو بیان ہی نہیں کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے، کہ غلطی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بیان کرتا۔ (دارمی ص ۲۷)

امام ربانیؒ محمد باقرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو سب سے زیادہ اس بات کا اہتمام تھا، کہ حدیث میں ذرہ برابر بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ (تذکرہ ص ۳) چنانچہ صحیح مسلم ص ۳۱۱ میں ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث بیان کی :-

کہا کہ اب یہ حدیثیں تم سناؤ۔ تمذی نے اس وقت اول سے آخر تک سنا دیں۔ وہ محدث محو حیرت ہو گئے۔ اور فرمایا کہ میں نے تم سا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۹ - تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۸)

(۳۷) ایک شخص ابوذرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے منہ سے نکل گیا ہے کہ اگر ابوذرؓ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو میری بی بی کو طلاق۔ ابوذرؓ نے کہا، تمہاری بیوی مطلقہ نہیں ہوتی۔ یعنی مجھکو اپنی حدیثیں یاد ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۷۱)

ابوذرؓ فرماتے تھے کہ ایک حدیثیں مجھ کو اس طرح یاد ہیں جس طرح کسی کو قل ہو اللہ یاد ہوتی ہے۔ (تہذیب ج ۷ ص ۳۳)

نیز فرماتے تھے، کہ میں نے اپنے ہاتھ سر جو دفتر حدیثوں کے لکھے ہیں، ان سے کسی کسی کو لکھے ہوئے بچاس برس ہو چکے ہیں۔ اور اس وقت سے آج تک اس کو پھر دیکھا بھی نہیں ہے۔ بلاں ہمہ میں ہر حدیث کی نسبت جانتا ہوں کہ وہ کس کتاب میں، کس ورق میں، کس صفحہ میں اور کس سطر میں ہے۔

(تہذیب ج ۷ ص ۳۳)

(۳۸) ابو اللیثؒ کا اپنی نسبت بیان ہے کہ مجھکو دس ہزار غیر مکہ حدیثیں یاد ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۹) (۳۹) ابن عاصمؒ کی کتابیں ایک ہنگامہ میں فوائے ہو گئیں تو انہوں نے اپنی یاد سے پچاس ہزار حدیثیں لکھ لیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۹)

(۴۰) غطیبؒ کا بیان ہے کہ جزرہ ایک سال تک اپنی یاد سے حدیثیں بیان کرتے رہے، اس لئے کہ کوئی کتاب ساتھ نہیں لی تھی۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۹۵)

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ والی محمد اس رسول اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصیام رمضان والحج۔ حضرت ابن عمر کے بیان کرنے کے بعد مجلس میں کسی شخص نے اس حدیث کو دہرایا تو یوں کہ دیا، واللہ وصیام رمضان۔ حضرت ابن عمر نے اس کو فوراً ٹوکا۔ اور فرمایا یوں نہیں بلکہ وصیام رمضان والحج۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔

غور فرمائیے کہ باوجودیکہ معنی میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی جس ترتیب کے حدیث کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے اس میں یہ معمولی تغیر بھی انکو گوارا نہ تھا۔

دارمی ص ۵۸ میں عبد اللہ بن عمر کا ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ ایک دوسری حدیث کے باب میں مذکور ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی نسبت تذکرۃ

الحفاظ میں مذکور ہے :-

کانت ممن یتحیی ان کا شمار ان حضرات فی الاداء ویشدد میں ہے، جن کو ادائے فی الی ولیة ویزجر حدیث میں سید احتیاط تلامذتہ عن اور روایت کے باب میں التہاون ہر اتشد تھا۔ اور وہ فی ضبط اپنے شاگردوں کو الفاظ الالفاظ۔ حدیث کے ضبط کرنے میں سختی پر بہت ڈالتے

(جلد ۱ ص ۵۸)

حضرت زید بن ارقم بن کاعب بڑھاپا آیا۔ اس وقت کوئی شخص حدیث بیان کرنے کو کہتا تو فرماتے کہ اب ہم بوڑھے ہو گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

(ابن ماجہ ص ۵۸)

اسی احتیاط کا تقاضا تھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اپنے شاگردوں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ جب تم حدیث کی روایت کرنے کا ارادہ کرو تو پہلے اسکو تین دفعہ دہرایا کرو۔ (دارمی ص ۵۸)

نیز اسی شدت احتیاط ہی کی وجہ سے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بڑی تاکید تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کی روایت کم کی جائے۔

صحابہ کرامؓ کے یہ واقعات پڑھنے کے بعد آپ ہی انصاف سے کہنے کہ جس جماعت کو اس قدر احتیاط کا پاس و لحاظ ہو اس کی نسبت یہ خیال قائم کرنے کا تو کسی درجہ میں کوئی امکان ہی نہیں، کہ اس نے جان بوجھ کر غلط تو درکنار، کوئی مشکوک ہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہوگی۔

بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جب احتیاط کا یہ عالم تھا اور حدیثوں کی روایت سے بھی چارہ کار نہ تھا، تو لازمی طور پر حدیثوں کو یاد رکھنے اور ان کو بعینہ حافظہ میں محفوظ رکھنے کا بھی انتہائی اہتمام ہوگا۔ اس حالت میں بھول چوک سے بھی حدیثوں کا کچھ سے کچھ ہونا بعید از قیاس ہے۔

نصوص صاف بلکہ تاریخ شاہد ہے، کہ شروع ہی

ہوتے تھے۔

کہ ایک کے بیان کی دوسرے سے تصدیق کرانے کا بھی دستور تھا، تو اس کے باوجود یہ خیال کرنا، کہ صرف حافظہ پر مدار ہونے کی وجہ سے حدیثیں کچھ سے کچھ ہو گئی ہوں گی، نرا وہم ہی وہم ہے۔ تنہا ایک آدمی کے بیان میں ایسا شک کیا بھی جاسکے تو دو ہو جانے کی صورت میں ایسا شک قطعاً درخورد اتفاقات نہیں ہے۔

بلکہ میں تو جرأت کر کے بیان تک کہہ سکتا ہوں، کہ ایسا شکی مزاج انسان قرآنی تعلیمات کی رو سے یقیناً بے بہرہ ہے۔ قرآن پاک نے جہاں یہ تعلیم دی ہے کہ دو پسندیدہ مرد گواہ بنانے کے لئے نہ ملیں تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں گواہ بنائی جائیں، وہاں خود ہی یہ بھی بتا دیا ہے، کہ اگر ایک عورت بھولے بھٹکے گی تو دوسری عورت یاد دلا دے گی۔ ان تفضل احدكما فتذكر کل احدكما الاخری۔ (بقرہ)

حدیثوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں، کہ قرآن پاک نے دو ہو جانے کے بعد اس احتمال و شک کا، کہ ممکن ہے دو بھی بھول جائیں اور دونوں کو سہو و نسیان ہو جائے، قطعاً اعتبار نہیں کیا۔ اور اس پر غور کریں کہ دو عورتوں کے باب میں ایسے شک و وہم کا قرآن نے اعتبار نہیں کیا، تو دوسروں کے باب میں اس کا کب اعتبار ہو سکتا ہے، جبکہ قرآن پاک کے اسی مقام سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ہر مرد اس باب میں دو عورتوں کے برابر ہے۔

سے اس کا بھی اہتمام تھا کہ ایک شخص کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو مزید اطمینان کے لئے کوئی دوسرا اس کا موید تلاش کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳ میں مذکور ہے۔ کہ جب حضرت مغیرہؓ نے یہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو پوتے کی میراث سے چھٹا حصہ دلویا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو نقل کرنے میں تمہارا شریک ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت محمد بن مسلمہؓ بھی اسکو جانتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آکر شہادت دی، تو حضرت ابو بکرؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ سے ایک حدیث بیان کی تو انھوں نے حکم دیا کہ اس پر کوئی دوسری شہادت پیش کرو۔ حضرت ابو موسیٰؓ انھار کے مجمع میں گئے۔ اور ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں میں کسی نے آنحضرت معلّم سے فلاں حدیث سنی ہے؟ حضرت ابو موسیٰؓ نے ان میں سے ایک انھاری کو ساٹھ لیا۔ اور حضرت عمرؓ کے سامنے ان سے شہادت دلوائی۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۳)

خود حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ایک حدیث کو بیان کرنا شروع کیا تو فرمایا کہ ڈر تو لگتا ہے کہ کوئی کمی بیشی نہ ہو جائے، لیکن عمارؓ نے بھی اس حدیث کو میرے ساتھ سنا ہے۔ اس لئے میں بیان کرتا ہوں۔ تم عمار کے پاس آدمی بھیج کر ان سے تصدیق کراؤ۔ چنانچہ عمار کو بلا کر پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کے بیان کی تصدیق فرمائی۔ (البوداد طرابلسی ص ۳)

ان واقعات کے ذکر کرنے سے میرا مقصد یہ ہے،

پوری کی معصیت اور اس کی ندمت

(محترم مولوی محمد اشرف صاحب قریشی)

اعوذ باللہ العلیم من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم - والسارق والسارقة
فاقطعوا ایدیہما جزاء بما کسبا نکالاً
من اللہ واللہ عزیز حکیم - اور (مسلمانوں!)
مرد چوری کرے تو، اور عورت چوری کرے تو ان کے (اس)
کرتوت کے بدلے (دبا امتیاز) دونوں کے (دائیں) ہاتھ
کاٹ ڈالو۔ (یہ) تعزیر (ان کے حق میں) خدا کی طرف سے
(قرار پائی) ہے۔ اور اللہ زبردست اور (انتقامی
مصلحتوں سے) واقف ہے۔ (المائدہ ۶۶)
اس آیت سے چوری کے جرم کی شدت
اور سنگینی ظاہر ہے۔ جس پر شرعاً ہاتھ کاٹنے کی سزا
مقرر ہے۔ ایک اور روایت سے چوری کا جرم
شرک سے دوم درجہ پر ہونا ثابت ہوتا ہے۔
یا ایہا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک
علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن
ولا یزنین الا یہ۔ یعنی اے نبی! جب مسلمان عورتیں
تمہارے پاس آکر شرک چوری زنا وغیرہ جرائم سے توبہ
کرنے پر بیعت کرنا چاہیں، تو ان سے بیعت لے لو۔
(سورۃ الممتحنہ ۲۶)

شرک وہ جرم ہے کہ خدا کبھی نہیں بخشتے گا۔
باقی گناہوں میں سے جس گناہ کو چاہے وہ بخش دے گا۔
پھر جب شرک کے بعد تمام گناہوں سے پہلے چوری کا
ذکر فرمایا، تو اس سے اس گناہ کی سختی ظاہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے:
لا یزنی الزانی حین زنا کرے ولا حب ولا کرنا
یزنی وهو مؤمن ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا
ولا یسرق السارق اور چوری کرنے والا جب
حین یسرق وهو چوری کرتا ہے تو وہ مومن
مؤمن - نہیں ہوتا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ زنا کرنے والا زنا کاری
کے وقت اور چوری کے وقت ایمان سے غالی
ہوتا ہے۔ خیال کیجئے، چور نے جب دولت ایمان
ہی ہاتھ سے کھوئی، تو دس بیس، سو ہزار روپے
کی چوری سے اس نے کیا خاک نفع کمایا؟
خائن خوش ہے کہ مل گیا مال خلیف
کیا جانے پڑا جو اس کو نقصان کثیر
کھو بیٹھا ہے کیسی نعمتیں بیش بہا
عزت، برکت، فلاح، ایمان، فخر

چوری سے پہلے اگر وہ اپنی جماعت میں موقر
باہر، تھا، تو چوری کی برائی سے اب بے عزت ہو
جائے گا۔ چوری سے پہلے اگر اس کی کمائی میں برکت
تھی، تو اب چوری کے مال کی شمولیت سے وہ برکت
سلب ہو جائیگی۔ چوری سے پہلے اگر اسکی نجات کی امید
تھی تو اب چوری کے بعد دنیا میں قطع دست اور آخرت
میں عذاب مستوجب ہو گیا۔ چوری سے پہلے اگر اس
میں ایمان تھا، تو چوری کی حالت میں محکم حدیث مذکورہ

وہ ایمان سے خالی ہو گیا۔ چوری سے پہلے اگر اس فعل بد سے نفرت تھی۔ اور اس کے دل کی آواز اس کے خلاف اٹھتی تھی، تو اب چوری کا عادی ہو جانے سے اس کے قلب کی وہ آواز جس کو ضمیر کی آواز کہتے ہیں خاموش ہو جائے گی۔ اور آئندہ وہ چوری اور خیانت کرنے میں بے باک اور دلیر ہو جائیگا۔ خیال کرو کہ نقدی کی معمولی مقدار پرانے کے عوض میں اس نے کیسی کیسی اعلیٰ فضیلتیں کھوئیں۔

چوری اور چوری سے ملتی جلتی کئی صورتیں ہیں۔ اور سب حرام اور شدید معصیت ہیں۔ کسی کچھ نقد و جنس کسی طرح سے چرائینا۔ خواہ اس کے سامنے آنکھ بچا کر یا اس کی عدم موجودگی میں چرایا ہو (۱) کسی سے کوئی برتنے کی چیز عاریتاً مانگ کر پالینا اور اس کے مالک کے بمول جانے کو غنیمت سمجھنا (۲) کسی کے فصل میں اپنے مال مویشی کو پرانے کے لئے بلا اجازت چھوڑ دینا (۳) کسی کی فصل بے اجازت کاٹ لینا یا کسی کے باغ سے بلا اجازت پھل توڑنا (۴) کوئی چوری کا مال اپنے علم کے باوجود خریدنا (۵) کسی کی امانت میں خیانت کرنا (۶) ماپ تول میں خیانت کرنا (۷) فروخت کے مال میں کھوٹ ملانا۔

جب چور چوری کا مال فروخت کرتا ہے تو ہوتا ارزاں فروخت کرتا ہے۔ کیونکہ ایک تو اس کو اس مال سے جلدی فارغ ہونے کی ضرورت ہوتی ہو۔ تاکہ یہ مال اس کے قبضے میں نہ پکڑا جائے۔ دوسرے اس کو مال کے ارزاں جانے کا کچھ درد نہیں ہوتا بھت کے ہاتھ لگے ہوئے مال کے عوض میں جو کچھ بھی مل جائے اس کو غنیمت سمجھتا ہے۔ ایسے ارزاں مال کے

خریدنے پر طبعاً ہر شخص کو طمع دامنگیر ہوتا ہے۔ بلکہ بعض حریص یہ معلوم ہونے پر بھی کہ چوری کا مال ہر اس کے خریدنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ مگر جو لوگ چہ ہیز گار ہیں وہ ایسے مال کی ہرگز طمع نہیں کرتے۔ اگر دس روپے کی چیز دس آنہ کو ملتی ہو تو اس پر نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ بلکہ بعض محتاط و عالی طبع لوگ تو ارزاں چیز جس کی ادائیگی کی کوئی خاص وجہ معلوم نہ ہو اور فروخت کرنے والا تاجر نہ ہو، بلکہ کوئی اجنبی و ناشناس آدمی ہو، خریدنا ہرگز مناسب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ بقول گراں بھکت، ارزاں بھلتا وہ گمان کرتے ہیں، کہ یہ چیز ضرور چوری کی ہوگی۔ سیر چشم و عالی ظرف اور پاک دل لوگوں کی شان یہی ہے۔

جو لوگ چوری کا مال اس علم کے باوجود کہ یہ چوری کا مال ہے خریدتے ہیں، وہ اپنی حرص سے مجبور ہو کر اس سے باز نہیں رہ سکتے۔ اور اس جرم پر یہ عذر کیسا کرتے ہیں، کہ یہ مال ہم نے تو نہیں چرایا۔ چوری کا گناہ چور کے سر۔ ہم نے تو دام خرچ کر لیا ہے۔ اس لئے ہم اسے لئے یہ حلال ہے۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے، کہ کسی مال کے چرانے سے اس کے اندر جو حرمت کی صفت پیدا ہو جاتی ہے، وہ دوسرے کی خریداری سے زائل نہیں ہوتی۔ وہ صفت اس کے ساتھ جاتی ہے۔ اور نہ صرف خود اس چیز میں وہ صفت موجود رہتی ہے، بلکہ جو چیز اس کے عوض خریدی جائے اس کے اندر وہ اثر آجاتا ہے۔ اگرچہ پہلے وہ چیز پاک و طیب تھی۔

حدیث میں آیا ہے، من اشتراخی ثوباً جو شخص ایک کپڑا دس درم بھشتا دس اھم کے عوض خریدے اور ان میں

نارکات

کاروی

نزد

ہمانے سمجھا دیتا ہے۔ تاکہ اس کے گناہ کرنے میں کوئی مانع نہ رہے۔ سب سے پہلا مانع خود اس بندہ کی قوت ایمانی ہے۔ دوسرا مانع دیگر مسلمان بھائیوں کا اعتراض۔ قوت ایمانی تو بمضمون احادیث پہلے ہی زائل ہو جاتی ہے۔ باقی رہا دیگر مسلمانوں کا اعتراض، تو شیطان اس کے جواب میں بہتیرے بہانے اور عذر اور جرح سمجھا دیتا ہے۔

چوری کی اشیاء حاصل کرنے یا خریدنے کے کئی و بال ہیں۔ مثلاً :-

- (۱) ایمان ضعیف ہو جاتا ہے۔
- (۲) کھانے پینے کی چیز بے برکت ہو جاتی ہے۔
- (۳) نماز قبول نہیں ہوتی۔
- (۴) دعا قبول نہیں ہوتی۔
- (۵) شیطان کا غسل اور اثر قوی ہو جاتا ہے۔

(۶) روح پر مختلف کدورات طاری ہو جاتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ سب کو اس معصیت سے بچائے۔ آمین۔ وَاٰخِرُ
دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ
سَاطِ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

وفیہ دس احمحام ایک درم حرام ہو، تو وہ لم یقبل اللہ تعالیٰ شخص جب تک اس کپڑے لیں صلوة مادام کو پہنے ہوئے ہوگا، اس علیہ۔ کی کوئی نماز قبول نہ ہوگی۔

خیال کرو۔ کہ ایک درم کے عوض میں خریدے ہوئے کپڑے میں جب یہ اثر آگیا کہ اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، تو وہ اثر خود درم کے اندر باقی کیوں نہ رہا ہوگا۔ اگرچہ کپڑے کے فروخت کرنے والے نے اس کو کسی وجہ حرام سے نہیں کمایا۔ بلکہ کپڑے کے عوض حاصل کیا ہے۔ اسی طرح چوری کا مال خریدنے والے نے اگرچہ وہ مال نقد مول کے عوض خریدا ہے، مگر وہ سابقہ غبت تو اس کے اندر موجود ہے۔ سنگھیا ملک زہر ہے، لیکن کیا خریدنے سے اس کا یہ زہر زائل ہو جائے گا؟ اور خریدنے والا اس کو خوشگوار چیز سمجھ کر کھا سکے گا؟ گندگی ناپاک ہے، بدبو دار ہے۔ لیکن کیا خریداری کے بعد وہ پاک اور خوشگوار بن سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح چوری کے مال کا غبت، اس کی ناپاکی اور اس کا معنوی تعفن جوں کا توں اس کے اندر قائم رہتا ہے۔

سگ بدریائے ہفتگانہ بشو

چونکہ ترشد پلید تر باشد

پھر ہم لوگ کہتے ہیں کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ بھائیو! جب ہمارے کھانے پینے کے سامان ایسے مشتبہ اور مشکوک ہیں، کہ جن سے نماز ہی قبول نہیں ہو سکتی، تو دعا جو تابع نماز ہے کیونکر قبول ہو؟ شیطان کی عادت ہے، کہ جب کسی مسلمان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے، تو اسے اس گناہ کے جواز کے

حلال روزی

(مولوی محمد اشرف صاحب قریشی)

ابتغوا من فضل الله طلب کرو۔ (الجمعة ۳۶)
 (۲) لیس علیکم جناح تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے
 ان تبتغوا فضلا پروردگار کا فضل درزق
 من سربکم (بقرہ ۲۲) حلال تلاش کرو۔
 اسی مضمون کی آیات سورہ بنی اسرائیل اور
 سورہ قصص اور سورہ نمل اور سورہ چاثہ اور سورہ روم
 وغیرہ میں بھی آئی ہیں۔ جن میں حلال روزی کو اللہ کے
 فضل سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ دین
 اسلام میں حلال روزی اور پاک رزق کی کس قدر وقعت ہے۔
 حلال روزی نہ صرف اللہ کا فضل ہے، بلکہ بعض
 صورتوں میں وہ بمنزلہ عبادت ہے۔ چنانچہ حدیث میں
 حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے مروی ہے :
 من الذی لو لب لا یکفرھا بعض گناہ ایسے ہیں، کہ ان کا
 الا الھم فی طلب کفارہ طلب رزق کی محنت
 المعیشۃ (احیاء العلوم) کے سوا اور کچھ نہیں۔
 یعنی جس طرح طاعات و عبادت سے کٹر گناہ
 محو ہو جاتے ہیں، اسی طرح طلب رزق کی مشقت بھی
 بعض گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم سے سوال کیا گیا، کہ
 آپ کے نزدیک سچا تاجا چھاپے، یا کیسوٹی کے ساتھ
 عبادت کرتے والا عابد۔ تو آپ نے فرمایا، مجھے سچا تاج
 زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ وہ شیطان سے جہاد کرتا ہے
 شیطان کبھی اس کو ناپ تول کے میدان میں، پچھاڑنا چاہتا

اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم
 بسم الله الرحمن الرحيم وکلو مما رزقکم
 الله حلالاً طیباً و اتقوا الله الذی انتم
 به مؤمنون ہ (المائدہ ۱۱۶)
 اور خدا نے تم کو حلال ستمری روزی
 دی ہے، اس کو دے تامل، کھاؤ۔ اور
 جس خدا پر تمہارا ایمان ہے اس سے ڈرتے
 رہو۔

اس آیت سے ثابت ہے، کہ خدا کا عطا کیا
 ہوا حلال رزق ایک قابل قدر نعمت ہے۔ اس کے
 حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں
 کرنا چاہئے۔ اسلام وہ مذہب ہے جو اپنے پیروؤں
 کو حرکت اور عمل کی ہدایت دیتا ہے۔ وہ جمود و جمود
 اور بیکاری و بطلالت کی اجازت نہیں دیتا

بیکار رہنا، اور دوسرے لوگوں کی کمائی سے
 میٹ پانا پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بابا رزق کو اپنے
 فضل سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس فضل کے حصول کی
 ہدایت کی ہے۔ دیکھئے :-

و اذا قضیت پس جب تک تمام ہو چکے تو
 الصلوۃ فانکس و زمین میں پھیل جاؤ اور
 فی الاسراض و اللہ کا فضل رزق حلال،

ہے۔ کبھی اس کو نفع و نقصان کے فکر کی گمات میں زیر کرنا چاہتا ہے۔ کبھی اس کو لین دین کے معرکہ میں شکست دینے کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر یہ تابوہر موقع پر شیطان کا مقابلہ کرتا ہے۔

ابو قلاب نے ایک شخص سے فرمایا مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ میں تجھ کو رزق حلال کی طلب میں مشغول دیکھوں، بجائے اس کے کہ تو کچھ مسجد میں بیٹھا ہو۔ (محاسن الابار)

لقمان حکیم نے اپنے فرزند کو نصیحت کی کہ اے بیٹا! کب روزی سے اپنی محتاجی کو دور کر۔ کیونکہ جو شخص محتاج ہو جاتا ہے وہ تین مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اول دین میں سستی، دوم عقل میں ضعف سوم مردمی کا زوال۔ اور ان سب سے بڑھ کر لوگوں میں بے وقعتی۔ (احیاء العلوم)

ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے خوب فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک عبادت یہ نہیں کہ تم قدم جھا کر نوافل میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور اپنی روٹی کا بار دوسروں پر ڈالو۔ بلکہ عبادت یہ ہے کہ پہلے روٹی کھاؤ، پھر عبادت بجالاؤ۔ (ایجاد)

کب روزی میں چند شرطوں کی رعایت ضروری ہے۔ اول یہ کہ کب روزی سے مقصود یہ ہونا چاہئے کہ لوگوں کا محتاج نہ ہو۔ اور عبادت بجالانے کے لئے فراغت اور طاقت حاصل ہو۔ اور خیال کی ضروریات جمیا کر سکے، تاکہ اس کو مجاہد کا سا اجر حاصل ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
انہ علیہ السلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

قال من سعى على ما فرمايو شخص اپنے حلال عیالہ من حلال مال کے ساتھ اپنے عیال کی خبر فہو کالجہد فی گیری کرے وہ اللہ کی راہ میں سبیل اللہ (محاسن) جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔

دوم کب معاش کے لئے کوئی ایسا پیشہ اختیار کرے جس سے کوئی تمدنی حکمت پوری ہو۔ اول بنی نوع کو خاص فائدہ پہنچے۔ مثلاً تجارت ذرا طبابت، نجاری، معاری، کفش دوزی اور پار چہ بافی وغیرہ۔ بخلاف اس کے جن مکاسب میں کوئی ایسا فائدہ نہیں جو نظام تمدن کا مقتضا ہو، یا کسی فطری غرض کو پورا کرے۔ جیسے زرگری، نقاشی وغیرہ۔ کہ ان سے سوائے فضول زیب و زینت کے اور کوئی فائدہ متصور نہیں۔ اور جن پیشوں میں کسی قسم کی مصیبت ہو، وہ فضول ہی نہیں بلکہ حرام اور ممنوع ہیں۔ جیسے مصوری، نمی فروشی اور قوالی وغیرہ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا کہ اس زمانہ میں حلال روزی کیوکر میسر ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حلال روزی زمانہ سابق میں چار طرح سے حاصل ہوتی تھی۔ اب بھی ہو سکتی ہے۔ اول نوکری، بشرطیکہ ظالم اور کافر کی اعانت

اس میں نہ ہو۔ اور کوئی غیر مشروع کام بھی نہ کرنا پڑو۔ دوم زراعت بشرطیکہ کام کرنے والوں کے حقوق شرعی طور پر ادا ہوں۔ سوم تجارت جو جائز و مشروع اشیاء کی ہو۔ اور اس میں ناپ تول پوری دیانت داری کے ساتھ ہو۔ چہام صنعت و حرفت، اس میں بھی یہی شرطیں ہیں۔

(فتاویٰ عزیزیہ)

سوم کسب روزی میں دنیا کا بازار آخرت کے بازار بیچنے مسجد سے بے پروا نہ کرے۔ بلکہ یہ چاہئے کہ کسب روزی سے زائد اوقات مسجد کے اندر اذکار و اوراد پڑھنے میں گزارے۔ اور تاکہ وہ ان نیک بندوں میں شامل ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورہ نور کے پانچویں رکوع میں فرماتے ہیں :-

فِي بُيُوتِ اٰذَن
اَللّٰهُ اَنْ تَرْفَع
وَمِذْكُرَ فِيْهَا
اَمْمَةٌ يُسَبِّحُ لَئِ
فِيْهَا بِالْعَدُو
الْاَصَالِ سَاجِدًا
لَا تَلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ
وَلَا بَيْعٌ عَن
ذِكْرِ اللّٰهِ وَ
اِقَامِ الصَّلَاةِ
وَاِيتَاءِ الزَّكَاةِ
وَاِذْنَ مِنْهُمْ
دِيْنَ

چھارم رزق و روزی میں کوئی چیز کسی نا جائز طریق سے شامل نہ ہو۔ آج کل جو قلبی کدورتوں کی عمام شکایت اور انوار باطن کی کمیابی ہے، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ موجودہ مکاسب اکثر مشتبہ بلکہ حرام اعتیاد کئے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہ فرماتے ہیں :-
و صاحب کشف عیاں دین زمانہ اور کشف عیاں ثانی اس سبب مفقود شدن اکل حلال زمانہ میں حلال روزی ملنے کم امت۔ (بدایۃ الطالبین) کی وجہ سے کم ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں :-
و یقال من اکل
الشربۃ اربعین
یوماً اظلم قلبہ
داہیاء العلوم

حرام نعمہ سے نہ صرف انوار باطن معدوم اور قلب تاریک ہوتا ہے، بلکہ ایسی غذا سے پلا ہوا جسم دوزخ کا ایندھن ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :-
ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
قال لا یدخل الجنۃ
جسد غزی بالحرام
(مشکوٰۃ)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام کچھ دودھ لایا۔ جس کو انہوں نے بے خبری میں نوش فرمایا۔ پھر غلام نے بتایا کہ میں نے کسی کے لئے کھانت کا غسل کیا تھا۔ اس نے یہ دودھ دیا ہے۔ تو

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قے کر کے سب دودھ نکال دیا جو
واخر دعوانا ان الحمد
للہ رب العالمین

کتاب بہترین سرفیق ہے

- پیغامِ حق : حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بکوی مرحوم کی آخری حرکتہ الآراء تقریر و مذہبیت پر مبنی کتاب ہے۔ قیمت ۱۰/-
- تفسیر آیت مباہلہ : شیعوں کے بڑے مخالفہ کا ازالہ۔ قیمت چار آنے
- تفسیر آیت امامت : لفظ امام آیا ہے۔ اور مسئلہ امامت پر سیر حاصل تبصرہ۔ قیمت چار آنے
- تفسیر آیت میراث ارض : مصنفہ ایضاً آیت وفد کتبنا فی الزبور الخ سے خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت کی قیمت
- تفسیر آیت اولی الامر منکم : مصنفہ ایضاً آیت اطیعوا اللہ واطیعوا اللہ رسول واولی الامر منکم کی تفسیر اور شیعوں کے مخالفہ کا جواب۔ قیمت چار آنے
- تفسیر آیت معیت : مصنفہ ایضاً آیت محمد رسول اللہ والذین معہ الخ کی تفسیر حضرت
- تفسیر آیت تمکین : مصنفہ ایضاً آیت الذین امن ثم فی الارض الخ کی تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلعم
- لکھنؤ : انکی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ اور انکے عہد خلافت تمام کام خدا کے پسندیدہ و مقبول ہیں۔ قیمت چار آنے
- تفسیر آیت رضوان : مصنفہ ایضاً آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین الخ کی تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت
- تفسیر آیت مودۃ القرنی : مصنفہ ایضاً آیت قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودۃ الخ کی تفسیر جس سے
- ابوالائمہ کی تعلیم : مصنفہ ایضاً آیت علی واولیہ واولیہ بن سکتا، جب تک کہ مذہب حق اہل سنت والجماعت
- کشف التلبیس حصہ دوم و سوم : جس میں فضائل صحابہ و دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۲/-
- علمائے ہند کی شاندار ماضی : کتاب کیا ہے و گرامر یہ دینی اور سیاسی معلومات کا بے ہما
- علامہ احمد ممبر : اس کے پڑھنے سے کوئی عقولیت پسند انسان مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ قیمت ۱۰/-
- تحقیق فدک : مصنفہ مولانا تاج احمد شاہ صاحب بخاری و نہایت بہترین اور قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۲/-

میلنے کا پتہ
مکتبہ حب الوطن انصار وینچر رسالہ شمس السلام ڈاک خانہ شمس السلام بھیرہ (پاکستان)